

اگر باتانہ مستند بھی ہو جائے اور عدالت اس پر اپنی تصدیق بھی ثبت کر دے کہ نہایت معقول وجوہ کی بنا پر طلاق دی گئی ہے تو اس کے معنی یہ ہونے کہ عورت نہ گھر کی رہی نہ گھاٹ کی چپ چپاتے طلاق ہوتی تو اس بات کی بڑی گنجائش تھی کہ اگر ایک نے چھوڑا تھا تو کوئی دوسرا مرد اس سے نکاح کر لیتا لیکن عدالت کی ایک سند یافتہ مطلقہ کو آپ کے موجودہ معاشرہ میں اپنے حوالہ عقد میں لینے کی جرأت کون مرد کر سکے گا؟ بلکہ وہ کہاں عزت کی زندگی بسر کرنے کے قابل بھی رہ جائے گی؟ اور اس کا خاندان تک بے آبروئی سے کب بچا رہ جائیگا؟

معاشرہ پر بحیثیت مجموعی اس کا جو اثر پڑیگا وہ بھی کچھ کم مضر نہیں ہے۔ اس سفارش کے قانون کی شکل اختیار کر لینے کے بعد ہمارے ہاں طلاق کا ہر واقعہ اپنے اندر نہ جانے کیا کیا حکایتیں اور افسانے لیکر نمودار ہو گا اور خدا ہی جانے کہ کس کس قسم کے گندے کپڑے ان شادی بیاہ کی عدالتوں کے گھاٹ پر دھیں گے اور ان عدالتوں کی کارروائیاں جلی عنوانات سے اخبارات میں چھپیں گی اور یہ اصلاح معاشرہ کے علمبردار حضرات منے مے کر ان داستانوں کو پڑھیں گے۔

غور کیجیے کہ یہ عورت کے حقوق کی حفاظت ہوئی یا اس کو برسرِ بازار رسوا کرنے کی ایک نہایت ہی ظالمانہ تدبیر۔

تعدد از دواج پہ پابندیاں | تعدد از دواج کے متعلق کمیشن کی سفارش یہ ہے کہ یہ قانون بنا دیا جائے کہ ایک بیوی کے ہوتے ہوئے کسی شخص کو شادی بیاہ کی عدالت سے اجازت حاصل کیے بغیر کسی اور عورت سے نکاح کرنے کا حق نہ ہو گا۔

عدالت یہ اجازت کسی شخص کو تین باتوں کا اطمینان کر لینے کے بعد دے گی :-

ایک یہ کہ دوسری شادی کے لیے کوئی عقلی جواز موجود ہے۔ مثلاً یہ کہ بیوی بانجھ ہے، یا فاجر عقل ہے یا کسی مریض بیماری میں مبتلا ہے، یا اسی قسم کا کوئی اور معقول سبب موجود ہے۔ مجرد یہ بات کہ دوسری عورت جوان اور خوبصورت ہے یا یہ کہ مرد اپنی پہلی بیوی پر قناعت نہیں کر سکتا کمیشن کے نزدیک کوئی معقول سبب نہیں ہے۔

دوسری یہ کہ مرد کی مالی پوزیشن ایسی ہے کہ وہ بیک وقت دو کمبوں کی کفالت کا بوجھ اٹھا سکتا ہے اور اس دوسری شادی سے اس کی سابق بیوی اور اس کے بچوں کے اُس معیار زندگی میں کوئی فرق پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے جس کے وہ عادی ہیں۔

تیسری یہ کہ اگر پہلی بیوی مرد کے دوسری شادی کر لینے کی صورت میں علحدہ قیام کی طالب ہے تو مرد اس کے لیے کیا ضمانت دیتا ہے۔ اس کے لیے عدالت یہ بھی کر سکتی ہے کہ مرد کی تنخواہ یا اس کی آمدنی کا ایک مناسب حصہ عورت کو براہ راست ملا کرے۔

کمیشن نے اپنی سفارشات کی تائید میں جو دلیل دی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن نے تعدد ازواج کی اجازت صرف ایک جگہ سورہ نسا میں دی ہے اور یہ اجازت ایک ہنگامی ضرورت کے موقع پر یتیموں اور بیواؤں کا مسئلہ حل کرنے کے لیے عدل کی نہایت کڑی شرط کے ساتھ دی تھی۔ اب تجربہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مسلمانوں نے اس اجازت سے نہایت غلط فائدہ اٹھایا ہے جس کے سبب سے عورتوں کے حقوق تلف ہو رہے ہیں۔ اس وجہ سے حکومت کا، جو معاشرتی عدل کی ذمہ دار ہے، یہ فرض ہے کہ وہ اس اجازت پر ایسی پابندیاں عائد کر دے جن سے موجودہ خرابیوں کی ممکن حد تک اصلاح ہو سکے۔ کمیشن نے اپنے اس نقطہ نظر کی تائید میں یہ بھی کہا ہے کہ بیماری پیدا ہو جانے کے بعد اس کے علاج کی فکر کرنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ بیماری کے سبب ہی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

سورہ نسا کی آیت سے متعلق کمیشن کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ وہ ایک ہنگامی ضرورت کے موقع پر مسلمانوں کو تعدد ازواج کی اجازت دینے کے لیے نازل ہوئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی اجازت تو پہلے ہی سے موجود تھی، چنانچہ اسی اجازت کے تحت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں ایک سے زیادہ بیویاں تھیں، اور صحابہ میں سے بھی بہت سے لوگوں نے ایک سے زیادہ نکاح کر رکھے تھے۔ اس آیت نے اجازت دی نہیں بلکہ سابق اجازت سے اُس امیر جنسی میں فائدہ اٹھانے کی مسلمانوں کو ہدایت کی جس سے اس وقت مسلمان دو چار تھے۔ اور مزید براں اُس نے سابق اجازت پر چند پابندیاں بھی عائد کر دیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اس آیت کے نازل کے بعد یہ نہیں ہوا کہ یتیموں اور بیواؤں کی مصیبت

کے تحت مسلمانوں نے ایک سے زیادہ نکاح کرنے شروع کیے ہوں بلکہ ہوا یہ کہ جن کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں تھیں انہوں نے ان کو طلاق دے دی اور جو لوگ عدل کا اہتمام نہیں کر رہے تھے وہ عدل کا اہتمام کرنے لگے۔

اس وجہ سے یہ کہنا تو بالکل ہی غلط ہے کہ اس آیت نے مسلمانوں کو محض یتیموں اور یتیموں کی مصلحت کے تحت ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت دی تھی۔ اگر کبھی جاسکتی ہے تو یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کو تعدد ازدواج کی جو اجازت پہلے سے حاصل تھی، اس آیت نے اس اجازت کو ایک خدمت اور ایثار کے لیے استعمال کرنے کی تلقین کی، وہ یہ کہ وہ اس کو یتیموں کی مصلحت کے لیے استعمال کریں اور حتی الامکان ان کی ماؤں سے نکاح کریں تاکہ یتیموں کا مسئلہ بھی حل ہوا اور یتیموں کی امداد اور پرورش کی بھی ایک صورت پیدا ہو۔

اسلام نے تعدد ازدواج کی اجازت صرف یتیموں ہی کی مصلحت کے تحت نہیں دی ہے بلکہ بہت سی مصلحتوں کے تحت دی ہے جن میں سے بعض کی طرف ہم یہاں اشارہ کریں گے:

۱) بعض اوقات دین کے مصالح کا تقاضا ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک سے زیادہ شادیاں کرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح کیے اور ان میں سے کسی ایک نکاح میں بھی یتیموں کی مصلحت کا کوئی سوال نہیں تھا۔ البتہ بحیثیت مجموعی دین کی مصلحت آپ کے تعدد ازدواج میں نمایاں نظر آتی ہے۔ سورہ احزاب میں حضور کی ازواج کو جو نصیحتیں اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ دین کی جو ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی تھی اس میں آپ کی ازواج مطہرات بھی شریک تھیں۔ ان کو یہ ہدایت ملی ہوئی تھی کہ تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں پڑھی جاتی ہیں ان کا چرچا کرو، چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ خواتین کے طبقہ میں شریعت کی باتیں زیادہ تر اہبات المؤمنین ہی کے ذریعہ سے پہنچیں۔ عموماً وہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خواتین کے درمیان واسطہ بنتی تھیں اور آپ سے دین کو سیکھ کر امت کی بہنوں، بیٹیوں کو سکھاتی تھیں۔ اس سلسلہ میں ازواج مطہرات کا سب سے بڑا ایثار جس کے بارِ ممنونیت سے کسی شخص کی بھی گردن نہیں اٹھ سکتی

یہ ہے کہ ان کی زندگی کا کوئی حصہ بھی پرائیویٹ نہیں رہ گیا۔ جو باتیں میاں اور بیوی کے درمیان راز ہوتی ہیں اور کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کی ٹوہ لگائے، اور نہ کوئی از خود ان کو ظاہر کرنا پسند کرتا ہے، ازواج مطہرات کی وہ باتیں بھی امت کی تعلیم کے لیے لوگوں کے سامنے آئیں۔ اور یہ انہی چیزوں کی برکت ہے کہ ہماری پرائیویٹ زندگی کے نہاں خانوں میں بھی تزکیہ کی روشنی داخل ہوئی خصوصیت کے ساتھ اس تعلیم و تزکیہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا جو حصہ ہے اس کی شکر گزاری کے حق سے نہ تو عورتیں کبھی سبکدوش ہو سکتیں اور نہ مرد۔

۲۔ بعض اوقات قومی اور سماجی مصالح کا تقاضا ہوتا ہے کہ مرد ایک سے زیادہ شادیاں کریں۔ اس کی بہترین مثال خود سورہ نسا کی مذکورہ آیت ہی میں ہے جب جنگ کے سبب سے قسیموں اور بیواؤں کا مسئلہ مسلمانوں کے سامنے آیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ ان کو معاشرہ میں باعزت جگہ دلانے کے لیے تعدد ازواج کی موجودہ اسباب سے فائدہ اٹھایا جائے۔ آج بعینہ ہی مسئلہ انگلستان اور یورپ کے بہت سے ملکوں میں پھٹی دو جنگوں کے سبب سے پیدا ہو گیا ہے اور اس نے ان کے پورے سماجی نظام کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ لیکن وہاں کے لال بھکڑ لوگ ساری ذلتیں جھیل رہے ہیں نگلی عورتیں ماری ماری پھر رہی ہیں، لیکن یک زوجگی کا قانون ان کے پاؤں میں ایک ایسی زنجیر بن کے رہ گیا ہے کہ اس کی اصلاح کے لیے کوئی قدم اٹھانا ان کے لیے ناممکن ہے۔ آج انگلستان وغیرہ میں اس قانون کے سبب سے عورتوں کا جو حال ہے اس کا اندازہ ایک نامہ نگار کے مندرجہ ذیل بیان سے کیجیے:-

۱۹۱۲ء اور ۱۹۳۹ء کی عالمگیر جنگوں نے انگلستان میں عورتوں کا تناسب مردوں سے زیادہ کر دیا ہے۔ چنانچہ یہاں اکثر عورتیں شادی کا ارمان دل ہی میں لیے ہوئے بڑھی ہو جاتی ہیں۔ یوں تو وہ زندگی سے پوری طرح لطف اندوز ہوتی رہتی ہیں لیکن زندگی کا حقیقی سکون انہیں میسر نہیں آتا۔ لندن کے ایک پادری صاحب کہتے ہیں کہ آج کل اگر غلطی سے کسی دو تیز رو کو شادی شدہ سمجھ لیا جائے تو وہ چند لمحوں کے لیے باغ باغ ہو جاتی ہے۔“

”اکثر کنواری لڑکیوں نے زندگی کا مقصد ہی شادی سمجھ رکھا ہے۔ وہ شادی کے لیے ماری ماری پھرتی ہیں اور انہیں جو لڑکا بھی مل جاتا ہے اسے اپنا ممکن شوہر سمجھنا شروع کر دیتی ہیں۔ پادری صاحب مزید فرماتے ہیں:-

”جو دو تیزائیں منسر کہلا سکتی ہیں وہ اپنے آپ کو اعلیٰ و ارفع سمجھنا شروع کر دیتی ہیں اور احساس برتری کے مرض کا شکار ہو جاتی ہیں۔ وہ اُن سہیلیوں کو ذرا نفرت سے دیکھنا شروع کر دیتی ہیں جن کو شوہر نہیں ملتے۔ عام لڑکیاں جب ایک دوسری سے ملتی ہیں تو بے پہلے ان کی نگاہیں دوسری کی انگلی میں ”شادی کی انگوٹھی“ تلاش کرتی ہیں۔ ان حالات میں لڑکیاں شادی کے خیال ہی سے محبت شروع کر دیتی ہیں۔“

پادری صاحب نے گلہ کیا ہے کہ لڑکی جو نہی پندرہ کے سن میں پہنچتی ہے اسے شادی کا خیال تسانا شروع کر دیتا ہے۔ دراصل یہ شکایت فضول ہے۔ انگلستان اور یورپ میں کوئی لمبی ایک مسئلہ بن چکی ہے اور مغربی تہذیب میں بے راہ روی کے جو گھناؤنے مظاہرے نظر آتے ہیں اس کی وجہ یہی مردوں کی کمی ہے۔ عورت کی شادی کی خواہش ایک تندرستی خواہش ہے لیکن مغرب کے داناؤں نے اس کا علاج یہ نکالا ہے کہ مرد شادی تو ایک ہی کرے لیکن عیاشی جتنی عورتوں سے چاہے کرے۔ مغربی تہذیب، مذہب اور قانون یہ تو برداشت کر لیتے ہیں کہ شادی شدہ مردداشتہ رکھ لے لیکن دوسری شادی ان کے نزدیک معیوب اور خلاف تہذیب ہے۔ لندن میں تمام ملک سے لڑکیوں کے کھنچ کھنچ کر جمع ہونے کے اسباب اور وہاں ان کے مشاغل کی تفصیل نامہ نگاریوں میں بیان کرتا ہے:

”گھر میں ماں بوائے فریڈ سے ملنے پر اعتراض کرتی تھی، یہاں ترقی کے مواقع زیادہ ہیں منگیتر سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ ایکٹرس بننے کا شوق بھی صاحبزادیوں کو چراتا ہے اور کچھ دنیا دیکھنے گھر سے نکل کھڑی ہوتی ہیں اور پھر یہاں پر سینکڑوں شاخوں والے ”لابیتر“ اور لے بی سی کے سستے کھانے والے ریٹوران ہیں جہاں ہزاروں لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ ول درتھ“ اور اسپنسر

ایڈ مارکس کے وسیع و عریض اسٹوروں میں "ٹاپ گرل" بن سکتی ہیں۔ ہٹوں میں "ویٹرس" بن سکتی ہیں۔ سکری بن سکتی ہیں اور نوٹو گرافوں کے "ماڈل" اور ہندوستانی اور پاکستانی "شہزادوں" کے "حرم" کی زینت۔

"ان میں سے اکثر چار پانچ پونڈ سے لے کر سات آٹھ پونڈ فی ہفتہ تک کماتی ہیں جس سے مشکل اپنا ضروری خرچ چلاتی ہیں اور جنہیں کچھ بچا کر اپنے بوڑھے ماں باپ کو بھی بھیجنا ہوتا ہے وہ زندہ رہنے کے لیے پوری غذا بھی نہیں کھا سکتیں۔۔۔۔ اور تقریباً تمام ہی شام کو تفریح کے لیے "شکار" کی تلاش میں رہتی ہیں جو انہیں پچر دکھا دے، رستوران میں ایک وقت کا کھانا کھلا دے، یا کسی اپنے کافی ہاؤس میں کافی کی ایک پیالی ہی پلا دے اور انہیں اس آزادی اور دنیا دیکھنے کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔"

"یہاں عورت آزاد ہے لیکن اس کی حالت قابل رحم ہے۔ یہاں عام عورت کی کوئی عزت نہیں۔ کوئی مقام نہیں۔ اگر وہ مشرق کی "مظلوم عورت" کی "جیل کی زندگی" کی ایک جھلک دیکھ لے تو آزادی اور مساوات سے فوراً تو بہ کرے۔ یہاں ہزاروں عورتیں ساری عمر گھر اور اولاد کو ترستے ہوئے زندگی بسر کر دیتی ہیں۔ اور انہیں اپنی مظلومی اور کس مہر سی کا پورا احساس ہوتا ہے۔"

یہ ہے انگلستان اور یورپ کے اکثر ملکوں کے معاشرہ کا حال۔ قوم کی قوم آبرو باختہ بن کر رہ گئی ہے۔ عفت اور پاکدامنی کا تصور بھی ذہنوں سے غائب ہو چکا ہے۔ مرد عورت کے تعاقب سے پیچھے اٹھے ہیں اور عورت نے مرد کی جستجو میں شرم و حیل کے سارے پردے اٹھا دیئے ہیں۔ یہ سب کچھ صاحب لوگوں کو گوارا ہے لیکن اگر نہیں گوارا ہے تو تعداد و ازدواج جو اس مشکل کا واحد حل ہے۔

بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر کسی آفت کے سبب سے عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جانے کی صورت میں قوم مردوں کو یہ اجازت دیتے ہو کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کریں

تو یہی اجازت تمہیں عورتوں کو اس صورت میں دینی چاہیے جب کسی آفت ارضی و سماوی کے سبب کسی ملک میں عورتوں کی تعداد کم رہ جائے اور مرد زیادہ ہو جائیں۔ یہ اعتراض ہمارے نزدیک بالکل بے حقیقت ہے۔ جہان تک قدرت کا تعلق ہے وہ اس معاملہ میں کبھی ایسا عدم توازن پیدا نہیں ہونے دیتی جس کا علاج خود اس کسر و انحصار سے نہ ہوتا رہے جو اس کے اپنے نظام میں واقع ہوتا رہتا ہے۔ وہ عورتوں اور مردوں کو پیدا بھی ایک خاص تناسب کے ساتھ کرتی ہے اور اس کی طرف سے جو بیماریاں اور آفتیں آتی ہیں وہ مارتی بھی عورتوں اور مردوں کو ایک خاص تناسب ہی کے ساتھ ہیں۔ وہ نہ تو پیدا کرنے میں کبھی یہ شکل اختیار کرتی ہے کہ کسی قوم میں عورتیں سی عورتیں پیدا ہو جائیں، مرد پیدا ہی نہ ہوں، یا اتنی کم تعداد میں پیدا ہوں کہ قوم کے لیے ان کی کمی ایک مسئلہ بن جائے، اور نہ اس نے مارنے میں کبھی یہ صورت اختیار کی ہے کہ جن جن کے مردوں کو مارے اور عورتیں بچی رہ جائیں۔ یہ صورت تو تاریخ میں جب بھی پیدا ہوئی ہے کسی جنگ ہی کے سبب سے پیدا ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ کے لیے فطری طور پر مرد ہی موزوں بھی ہے اور سی کو یہ کام کرنا بھی پڑتا ہے۔ عورت کے لیے یہ کام نہ تو موزوں ہی ہے اور نہ کبھی مردوں کی غیرت نے یہ گوارا ہی کیا ہے کہ وہ جنگ اور دفاع کی ذمہ داریاں عورت پر ڈال دیں۔ اسلام ایک دین فطرت ہے اس وجہ سے اس نے نہ تو یہ پسند کیا ہے کہ عورتیں جنگ کے لیے نکلیں اور نہ یہ اجازت دی ہے کہ دشمن قوم کے بچوں اور ان کی عورتوں کو قتل کیا جائے۔ اسلام کے قانون جنگ میں عورت غیر مصانی آبادی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس وجہ سے ایک اسلامی حکومت میں جنگ کے سبب سے عورتوں کی تعداد کم ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ جن قوموں نے آج عورت کو بھی محاذ جنگ پر لا کھڑا کیا ہے ان کے ہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ بھی اس صورت میں جب مرد گھروں میں گھس کر بیٹھ رہیں اور جنگ کا کام صرف عورتیں ہی سنبھالنے پر مجبور کر دی جائیں۔ اگر اس چیز کی وجہ سے یہ سوال کسی قوم کے اندر پیدا ہوا تو اس کے حل کرنے کی ذمہ داری خود اس پر ہے نہ کہ اسلام پر جو اس صورت حال ہی کو سرے سے خلاف فطرت قرار دیتا ہے۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر انگلستان اور یورپ کے ممالک میں مردوں کی کمی اور عورتوں کی زیادتی کے سبب سے ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ تعداد ازدواج کے بغیر وہاں کا معاشرتی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا تو وہاں اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ لیکن ہمارے معاشرہ میں جہاں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابل میں کچھ کم ہی ہے یہ اجازت کیوں دی جائے؟ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ اگر ہمارے ہاں عورتوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے تو یہاں تعداد ازدواج کا رواج کہاں زیادہ ہے؟ خود کشی نے جو اس بیماری کا انسداد کرنے کے لیے آئینیں چڑھائے ہوئے ہیں، اپنی اسی رپورٹ میں صاف الفاظ میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ہمارے معاشرہ میں تعداد ازدواج کا رواج بہت کم ہے۔ اگر کم ہے اور یقیناً کم ہے تو آخر اس شد و مد سے اس کے خلاف محاذ قائم کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ اس کا رواج کم ہی لیکن اس کے سبب سے معاشرہ میں بعض نا انصافیاں پائی جاتی ہیں، تو کوشش ان نا انصافیوں کو دور کرنے کی کیجیے نہ کہ چند بے انصافیوں کو دور کرنے کے لیے ہزاروں فتنوں کے دروازے کھول دیجیے۔ یہ نا انصافیاں تو جیسا کہ ہم آگے چل کر واضح کریں گے اس اجازت کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ امت تر ہمارے موجودہ نظام اور موجودہ معاشرہ کی غفلتوں کا نتیجہ ہیں۔ پھر اپنی حالتوں کی اصلاح کرنے کے بجائے یہ اسلام کی اصلاح کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟

۳۔ بعض اوقات ایک شخص محض اپنے گھر کے نظم کو ٹھیک رکھنے اور اپنے آپ کو یا کسی عقیفہ کو تہمتوں اور بدگمانیوں سے بچانے کے لیے مجبور ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرے۔ فرض کیجیے ایک شخص کے گھر میں ایک بیوہ ہے، اس کے بچے ہیں جن کا ولی یہی شخص ہے۔ عورت اپنے بچوں کے خیال سے یا کسی دوسرے سبب سے یہ پسند نہیں کرتی کہ کسی اور خاندان میں نکاح کرے۔ اور یہاں نکاح کے بغیر رہنے میں اندیشہ ہے کہ وہ کہیں کسی فتنہ میں نہ پڑ جائے یا بیجا بدگمانیوں کا ہدف بنے۔ ان مختلف اسباب سے یہ شخص اس عورت سے نکاح کر بیٹا ہے۔ اسلام میں یہ بات نہایت پسندیدہ اور اخلاق اور مروت دونوں اعتبار سے نہایت اعلیٰ ہے۔ لیکن کمیشن کے

نزدیک یہ ایک جرم ہے۔

۴۔ بعض اوقات ایک شخص اپنے اخلاقی تحفظ کے لیے مجبور ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرے۔ فرض کیجیے ایک شخص ہے، اس کی بیوی کمزور صحت کی ہے، وہ زیادہ اولاد کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی۔ میاں بیوی برتھ کنٹرول کو بھی نا جائز سمجھتے ہیں۔ شوہر آوارگی اور بد چلنی پر بھی راضی نہیں ہے۔ یا فرض کیجیے ایک شخص ہے اس کا دل کسی عورت پر آگیا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ اگر اس کے ساتھ اس نے نکاح نہ کر لیا تو وہ کسی فتنے میں مبتلا ہو جائے گا۔ یا وہ اپنے اندر مفرط جنسی جذبہ رکھتا ہے۔ لیکن اسلام کے اخلاقی حدود کا سختی کے ساتھ پابند ہے۔ ایسی صورتوں میں مغربی سوسائٹی تو مرد کو قحبہ خانوں، ناٹ کلبوں اور عیاشی کے دوسرے اڈوں کی طرف ہٹاتی کرتی ہے اور جو عورت بھی اس سے اختلاط پر راضی ہو جائے اس سے آزادانہ تمتع کی اجازت دیتی ہے، لیکن اسلام اس کو ان ساری حرکتوں پر سخت سے سخت دنیوی و دینی دھمکی اور اخروی عذاب کی وعید سناتا ہے۔ البتہ اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ عدل کی شرط پوری کر سکتا ہو تو ایک سے زیادہ شادیاں کرے۔

اس پر بعض لوگ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ اگر کسی مرد کے مفرط جنسی جذبہ کی رعایت میں اس کو ایک سے زائد نکاح کی اجازت دی جا سکتی ہے تو یہی جذبہ اگر کسی عورت کے اندر مفرط حد تک ہو تو اسے بھی ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت ہونی چاہیے۔ یہ اعتراض جن لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے وہ علم الحیات کے مبادئی تک سے ناواقف ہیں۔ ایک مرد اگر ہزار عورتوں کے پاس بھی جائے تو وہ ان سب کو حاملہ کر سکتا ہے۔ لیکن ایک عورت خواہ کتنے ہی مردوں کے پاس چلی جائے، بہر حال وہ حاملہ ایک ہی مرد سے ہوگی۔ یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ ایک مرد کی کئی بیویاں ہونا تو فطرت کے مطابق ہے مگر ایک عورت کے کئی شوہر ہونا مطابقت فطرت نہیں ہے۔ علاوہ بریں ایک مرد کے کئی عورتوں کے پاس جانے کی صورت میں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اولاد اسی کی ہے۔ لیکن ایک عورت اگر کئی مردوں کے پاس جائے تو یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ اولاد ان میں سے کس کی ہے۔ اس طرح

کثرت زوجات سے تو خاندانی زندگی کا نظام مدہم برہم نہیں ہوتا مگر کثرت ازواج سے وہ مدہم برہم ہو جاتا ہے اسلام چونکہ کسی بوالفضل آدمی کے دماغی بحران کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ فاطر کائنات کا مقرر کیا ہوا دین فطرت ہے اس لیے وہ ان فطری حقائق کی بنا پر مرد کے مغرط جنسی جذبہ کے لیے تو دو یا زیادہ شادیوں کی اجازت دیتا ہے، لیکن اگر کسی عورت میں طبعاً یہ خواہش اعتدال سے زیادہ ہو تو اسے صبر کی تلقین کرتا ہے، یا حد سے حد یہ کہ وہ ایک سے خلع کر دوسرے سے نکاح کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ جو عورت حاملہ ہوتی ہے بچے جنتی ہے، دودھ پلاتی ہے، گھر گرہستی کی ذمہ داریوں میں مشغول رہتی ہے اور اپنا فاضل وقت کسی اچھے کام میں صرف کرتی ہے اُس پر شاید ہی کسی اتنا اضطراب طاری ہوتا ہو کہ وہ حدود کوڑنے پر آمادہ ہو جائے اور ایک اسلامی معاشرہ میں ایک پسندیدہ عورت کے یہی اوصاف ہیں۔ رہی وہ عورت جو نہ حاملہ ہوتی ہے، نہ بچے جنتی ہے، نہ دودھ پلاتی ہے اور نہ اُس کے ذمہ گھر گرہستی کی کوئی ذمہ داری ہے، بلکہ بناؤ سنگار کر کے وہ صرف سیر سپاٹے میں مشغول رہتی ہے، مردوں سے آزادانہ اختلاط رکھتی ہے، رقص خانوں، کلبوں، سینماؤں، اور مخلوط مجالس اور تقریبات میں گلچھرے اڑاتی ہے اور اپنا بہت سا وقت جنسی افسانوں اور ناوولوں کے پڑھنے اور ریڈیو کے عشقیہ گانے سننے میں گذارتی ہے اس میں بلاشبہ مغرط جنسی جذبہ بھرک اٹھتا ہے۔ مگر اس کی تسکین کی ذمہ داری نہ اسلام نے لی ہے اور نہ کوئی اورے سکتا ہے۔ بعض لوگ یہ بھی پوچھتے ہیں کہ اگر اسلام میں عورت کو ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت نہ دینے کی وجہ مرد کی غیرت ہے تو یہ غیرت تو عورت میں بھی موجود ہے بلکہ مرد سے کچھ زیادہ ہی ہے، پھر مرد کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت کیوں دے دی گئی؟ آخر اس چیز کو عورت کی غیرت کس طرح بددشت کر سکتی ہے؟ یہ اعتراض محض اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ لوگ عورت کے لیے اس ممانعت کا سبب صرف مرد کی غیرت ہی کہہ جاتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کا سبب مرد کی غیرت بھی ہے اور عورت کی غیرت کے مقابل میں مرد کی غیرت چونکہ سخت جلعانہ مزاج رکھتی ہے اس وجہ سے وہ نسبتاً زیادہ قابل لحاظ بھی ہے۔ لیکن اس ممانعت کے اصل اسباب وہ ہیں جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں خصوصیت کے ساتھ اس سے مقصود اختلاط نسب سے معاشرہ کو بچانا ہے۔ اگر اختلاط نسب سے معاشرہ کو محفوظ نہ رکھا جائے

تو پھر سہارا معاشرہ انسانی معاشرہ نہیں رہے گا بلکہ حیوانی گلوں سے بھی بدتر ہو جائے گا۔

الغرض تعدد و ازدواج کی اجازت کا کوئی ایک ہی سبب نہیں ہے بلکہ اس کے بہت سے اسباب ہیں جن کا صحیح صحیح اندازہ کوئی عدالت نہیں کر سکتی۔ ہر شخص اپنے متعلق زیادہ بہتر طریقہ پر خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے۔ یہی بات کہ چونکہ عام طور پر لوگ ان شرائط کی پابندی نہیں کر رہے ہیں جو تعدد و ازدواج پر اسلام نے عاید کی ہیں اس وجہ سے حکومت کو حق ہے کہ وہ اس اجازت پر مزید پابندیاں عائد کر دے یا اس اجازت کو سرے سے منسوخ ہی کر دے تو یہ بات کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔

اولاً تو ایک چیز پر اسلام نے جو شرطیں عائد کی ہیں ان کے علاوہ اس پر فرید شرطیں عائد کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ اہتمام اس کا ہونا چاہیے کہ جو شرطیں اسلام نے عائد کی ہیں وہ پوری کی جائیں نہ کہ ان پر کچھ اور قیدوں اور شرطوں کا اضافہ کیا جائے اگر خیال یہ ہے کہ ان اضافوں کے بغیر اسلام کی عائد کردہ شرطیں پوری کرائی ہی نہیں جاسکتیں تو یہ اسلام کا نقص ہوا۔ اور اس بات کو صرف وہی لوگ صحیح مان سکتے ہیں جو اسلام کو ایک دین کامل نہ مانتے ہوں۔ اسی طرح کے اضافوں سے تو یہودیوں نے اپنی شریعت کو اصر و اغلال کا ایک مجموعہ بنا کے رکھ دیا اور حضرت نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے متقاضی عتبت میں سے ایک اہم مقصد ان اصر و اغلال سے دنیا کو تجارت دینا بھی تھا۔ کمیشن ایک طرف تو یہودیوں کی اس بدوش پر قائم کرتا ہے اور دوسری طرف اسی یہودیت کی پیروی خود کر رہا ہے۔

اسلام نے اضطراء کی حالت میں کوئی حرام چیز کھانے کی اجازت دی ہے، لیکن اس اجازت کے ساتھ غیر باغ و لاماد کی قید بھی لگائی ہے یعنی کوئی شخص اگر حرام کھانے پر مجبور رہی ہو جائے تو نہ تو وہ اس حرام چیز کو خواہش اور رغبت کے ساتھ کھائے اور نہ مددِ حق سے زیادہ کھائے۔ معلوم ہے کہ بہت سے لوگ اس شرط کا اہتمام نہیں کرتے بلکہ کسی معمولی سے عند کو بھی بہانہ بنا کر خدا کی اس قائم کردہ حد سے بالکل بے پروا ہو جاتے ہیں۔ اب کیا یہ بات جائز ہوگی کہ ایک قانون بنا دیا جائے کہ کوئی شخص جب تک سرکاری ڈاکٹر یا کسی معشریٹ سے اضطراء کا سرٹیفکیٹ نہ حاصل کرے اس وقت تک وہ اس اجازت سے فائدہ نہ اٹھائے؟ اسلام نے بعض حالتوں میں وضو کی جگہ تیمم کی اجازت دی ہے معلوم ہے کہ

بہت سے لوگ اس اجازت سے بھی غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کیا اس کے سدباب کے لیے ایک مزید قبیحہ کا اعناذہ کر دیا جائے کہ جب تک قاضی شہر کسی شخص کو تیمم کی اجازت نہ دے اس وقت تک کوئی شخص تیمم کی اجازت سے فائدہ نہ اٹھائے۔ اسلام نے میاں بیوی کو اجازت دی ہے کہ ایک ہر مقرر ہو جانے کے بعد اپنی باہمی رضامندی سے اس میں کمی بیشی کر سکتے ہیں۔ معلوم ہے کہ اس باہمی رضامندی پر بااوقات کچھ رسم و رواج وغیرہ اور بعض دوسرے عوامل بھی اثر انداز ہو جاتے ہیں جس سے رضامندی خفیہ رضامندی باقی نہیں رہتی۔ کیا اس کی وجہ سے یہ بات جائز ہوگی کہ اس معاملہ کو بھی اٹھار عدالت کے حوالہ کر دیا جائے کہ جب تک وہ اس رضامندی کو رضامندی تسلیم نہ کرے اس وقت تک فریقین کو باہم کوئی تصفیہ کرنے کا حق نہ ہو۔

ثانیاً غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ اگر لوگ اسلام کی اس اجازت سے غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں تو کیوں اٹھا رہے ہیں؟ کیا اسلام کی یہ اجازت ہی غلط ہے؟ یا اس نے جن شرائط سے اس کو مشروط کیا ہے وہ شرطیں ہی ناکافی اور ناقص ہیں؟ یا اس کے اسباب کچھ اور ہیں؟ جہاں تک اجازت اور اس کے شرائط کا تعلق ہے کمیشن نے رپاؤں ناخواستہ سہی) اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ اجازت مصلحت پر مبنی ہے اور اس کی شرطیں بھی عورت کے حقوق کے لیے ناکافی نہیں تھیں۔ البتہ اس کو یہ شکایت ہے کہ لوگ اس اجازت سے غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اس کی شرطیں پوری نہیں کر رہے ہیں۔ اب ایسے غور کیجیے کہ اگر لوگ یہ شرطیں پوری نہیں کر رہے ہیں تو کیوں نہیں کر رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کی دو وجہ ہیں:

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ عام جہالت کے سبب سے نہ عورتوں کو اپنے حقوق کا علم ہی ہے اور نہ ان کے تحفظ کا احساس۔ انگریزوں کے دور حکومت میں تو اس علم و احساس کے پیدا ہونے یا پیدا کیے جانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ انہوں نے تو ملک کے ایک بڑے حصہ میں عورتوں کو بالکل براہیوں کے رسم و رواج پر چھوڑ رکھا تھا جس کے سبب سے وہ ہندو عورتوں کی طرح بالکل اپنے خاندانوں کے رحم و کرم پر تھیں۔ نہ ان کے کوئی حقوق تھے اور نہ ان کے اندر حقوق کا احساس پیدا کرنے کی کسی کونکر تھی۔

پاکستان بننے کے بعد خدا کو کے اتنا ہوا کہ ملک کے اکثر حصوں میں میراث سے متعلق اسلامی قانون نافذ ہو گیا۔ لیکن ان کے اندر حقوق کا احساس پیدا کرنے کے لیے حکومت کی سرپرستی میں اگر کوئی کام ہوا ہے تو وہ اپنا کی تنظیم ہے جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ عورتوں میں بے پردگی اور بے حیائی پھیلانی جائے اور ان کو مغربی عورتوں کی سیس کرنے کی تربیت دی جائے، اور یہ کام بھی زیادہ اونچے درجہ کے خاندانوں کی بیگمات ہی کے اندر ہو رہا ہے۔ اس تنظیم کے ذریعہ سے اگر عورتوں کو کوئی سبق ملتا ہے تو یہ ملتا ہے کہ انہیں پریڈ کس طرح کرنی چاہیے اور سلامی کس طرح دینی چاہیے یہی بات کہ اسلام میں ان کے حقوق و فرائض کیا ہیں تو اس پر وہ غور نہ کرنا اس وجہ سے غیر ضروری خیال کرتی ہیں کہ اسلام ان کے نزدیک خود ایک بیماری ہے جس کو جلدی سے جلدی دور کرنے کی وہ کوشش کر رہی ہیں۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر کسی میں اپنے حقوق کا احساس بھی ہو تو اس ملک میں اس کے حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں انگریزوں نے جو عدالتی نظام قائم کیا تھا اور وہی اب تک جاری ہے) اس کے متعلق کمیشن نے خود نہایت پر سوز الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ اس سے کسی کمزور اور غریب کے لیے انصاف حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اگر کبھی اپنا حق حاصل کرنے کے لیے کسی مظلوم عورت اور اس کے اویانے ان عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹایا بھی تو بدلتوں کی دیروزہ گری اور ذلت و خواری کے بعد نقصان مایہ و شہادت ہمسایہ کے سوا کچھ پتے نہ پڑا۔ ورنہ سوچنے کی بات ہے کہ اسلام کے یہی قوانین اس زمانہ میں بھی تھے جب دنیا میں اسلام کا نظام قائم تھا۔ آخر اس زمانہ میں تعدد ازدواج کی عام اجازت کے باوجود کسی مرد کی یہ جرأت کیوں نہ ہو سکی کہ وہ کسی عورت کا کوئی معمولی سے معمولی حق بھی تلف کر سکے۔ ہر شخص کو پتہ تھا کہ اگر اس نے کوئی زیادتی کی تو اس حکومت میں اس کی یہ زیادتی اس کے لیے جنگی پڑے گی۔ اس نظام حکومت کا مزاج یہ ہے کہ اس میں ایک بے اثر سے زیادہ با اثر کوئی نہیں ہے اگر وہ مظلوم ہے، اور ایک با اثر سے زیادہ بے اثر کوئی نہیں ہے اگر وہ ظالم ہے۔ اس میں ایک کمزور سے کمزور عورت کے لیے بھی نہ صرف

قانونی التفتاح کی عدالت عالیہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں بلکہ خود صدر ریاست کے باب عالی پر بھی وہ جیب چاہے دھک دے سکتی ہے، اور کسی صاحبِ دربان کی مجال نہیں ہے کہ اسے روک سکے۔ پھر ہر شخص کو یہ بھی پتہ تھا کہ ہر عورت یہ جانتی ہے کہ اسلام نے اس کو کیا حقوق دیئے ہیں اور اس پر کیا ذمہ داریاں ڈالی ہیں۔ اس وجہ سے آسانی کے ساتھ اس کے حقوق غضب کرنے کی کوئی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ عورت بغیر کوئی کورٹ فیس داخل کیے، بغیر کسی درخواست پر کوئی اسامپ لگائے اور بغیر کسی وکیل صاحب کی جیبیں گرم کیے اپنا مقدمہ خود لڑ سکتی تھی امد اگر عدالت اس کے مقدمہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے کسی مدد کی محتاج ہوتی تھی تو اس کا ابو مجد اس پر ڈالے بغیر خود اس کا انتظام کر لیتی تھی۔ اگر عورتوں کے اندران کے حقوق کا علم و احساس آج بھی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور حقوق حاصل کرنے کا انتظام بھی سستا اور سہل مہیا کر دیا جائے تو کس کی مجال ہے کہ وہ اسلام کی ایک اجازت سے فائدہ تو اٹھا لے لیکن اسلام نے اس سلسلہ میں جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں وہ پوری نہ کرے۔

کمیشن نے اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں ایک نکتہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ بیماری کا راستہ کھول دینے کے بعد علاج کا مشورہ دینے سے زیادہ دشمندانہ طریقہ یہ ہے کہ سرے سے بیماری کے اسباب ہی کو ختم کر دیا جائے۔ کمیشن کا مطلب یہ ہے کہ تعدد از دواج کی اجازت دے دینے کے بعد اس کے سبب سے پیدا شدہ نا انصافیوں کے ازالہ کی تدابیر سوچنے کے بجائے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس اجازت ہی پر ایسی پابندیاں عائد کر دی جائیں کہ کسی تعوی یا نا انصافی کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہو۔ یہ نکتہ ہے تو لطیف لیکن کمیشن نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ خود تعدد از دواج کی اجازت بھی درحقیقت بہت سی اجتماعی، عالمی اور شخصی بیماریوں کے سدباب کے لیے ہے۔ اگر آپ نے تعدد از دواج سے پیدا شدہ بیماریوں کے علاج کے لیے سرے سے تعدد از دواج ہی کو کالعدم قرار دے دیا تو پھر آپ کے معاشرہ میں، آپ کے خاندانوں میں اور آپ کی قوم میں وہ ساری بیماریاں بھوت پڑیں گی جن کو یہ تعدد از دواج کی اجازت روکے ہوئے ہے۔ لیکن ان وباؤں کی کمیشن

کو تو اس وجہ سے کوئی فکر نہیں ہے کہ یہ ساری چیزیں تہذیب جدید کی رحمتیں اور برکتیں ہیں اور کمیشن کی دلی آرزو ہے کہ یہ رحمتیں اور برکتیں زیادہ سے زیادہ مقدار میں پاکستان میں برسوں اور لوگ ان کے فیضیاب ہوں۔

یہاں تک ہم نے ان دلائل کا جائزہ لیا ہے جو کمیشن نے اپنی سفارش کی تائید میں پیش کیے ہیں۔ اب ہم وہ نتائج پیش کرنا چاہتے ہیں جو کمیشن کی اس سفارش کے قانون کی صورت اختیار کر لینے کے بعد سامنے آئیں گے۔

۱۔ جب کسی شخص کے لیے اس بات کا امکان باقی نہیں رہے گا کہ وہ جیت تک اپنی پہلی بیوی کو باجھ یا مدقوق یا ناتر اعتقل نہ ثابت کرے اس وقت تک دوسری شادی کر سکے تو لازماً دوسری شادی کے خواہشمندوں کا رجحان یہ ہوگا کہ وہ کسی طرح اپنی پہلی بیویوں سے جان چھڑائیں اور اس کا ممکن راستہ جو وہ سوچ سکتے ہیں وہ یہی ہے کہ وہ ان کو طلاق دے دیں۔ اس طلاق کی راہ میں اگرچہ کمیشن نے بہت سی رکاوٹیں ڈال دی ہیں، مثلاً یہ کہ اگر کوئی شخص بغیر کسی سبب معقول کے طلاق دے تو اس پر عورت کے عقد ثانی یا مدت حیات تک کیلئے اس کی کفالت کا بار ڈالا جاسکتا ہے۔ لیکن ان رکاوٹوں کے باوجود نکاح جدید کے شوقین یا ضرورت مند راہ نکال ہی لیں گے۔ اگرچہ انہیں پہلی بیوی کو برسر عدالت رسوا ہی کرنا پڑے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ بہت سی عورتیں جو آج اپنے گھروں میں رہ رہی ہیں وہ مطلقہ ہو کر اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہونگی اور مطلقہ بھی بدنام اور عدالت سے مستند مطلقہ جن سے کوئی دوسرا مرد نکاح کرنے کی جرأت مشکل ہی سے کر سکے گا۔

۲۔ اگر کوئی شخص اپنی پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرنا چاہے گا اور عدالت اس کے بیان کردہ وجوہ کو نا کافی سمجھ کر اسے ایسا کرنے کی اجازت نہ دے گی تو قانون کی اس مزارعت سے مجبور ہو کر وہ اپنے ارادہ نکاح سے توباز آجائے گا لیکن اپنی بیوی کو اپنے لیے ایک لعنت کا طوق سمجھنے لگے گا۔ یہ عورت اس کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکے گی اور جب بھی اس کے چہرے پر اس کی نظر پڑے گی وہ یہ خیال کرے گا کہ یہی بلائے جانے ہیں جس کے سبب سے وہ اپنے ایک

جائز ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ممکن ہے بعض قانونی رکاوٹوں یا کسی ذاتی اور خاندانی مصلحت کی وجہ سے وہ اس کو مطلق نہ دے، لیکن بیوی صاحبہ کو تھوڑے ہی عرصہ میں یہ تجربہ اچھی طرح ہو جاتے گا کہ شوہر کی محبت عدالت اور قانون کے زور سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ شوہر کے دوسرا نکاح کر لینے کے بعد تو اس کا بہت امکان تھا کہ وہ اس کا پہلے سے بھی زیادہ خیال رکھنے لگتا، اور اگر زیادہ محبت نہ کرتا تو کم از کم اس کے ساتھ انصاف ہی کرتا، لیکن اس صورت حال کے پیدا ہو جانے کے بعد تو وہ اس کو اپنی راہ کا صرف ایک پتھر ہی سمجھے گا اور ہر وقت اس کی دلی آرزو یہی ہوگی کہ کب یہ پتھر اس کے راستہ سے ہٹے۔

۳۔ اور اگر وہ شخص شریعت اور اخلاق کی پابندیوں سے بالکل آزاد ہو گا (اور اس زمانہ میں زیادہ اشخاص ایسے ہی ہونگے) تو وہ اپنی خواہشوں کی تکمیل کے دوسرے ناجائز راستے پیدا کر لے گا۔ اور یہ راستے اس زمانہ میں ہر طرف کھلے ہوئے ہیں۔ وہ بیوی تو ایک ہی رکھے گا لیکن تعلقات دوسری کسی عورت یا عورتوں سے پیدا کرے گا، ان کے پیچھے اپنا ایمان و اخلاق برباد کرے گا، اپنی عزت و شہرت تباہ کر لے گا، اپنے بیوی بچوں سے غفلت برتنے گا اور اپنا مال دوسری جگہ ٹھکانے گا۔ بیوی صاحبہ اس پہلو سے تو شاید مطمئن ہوں کہ گھر میں کوئی باضابطہ سوکن وہ نہیں لاسکا، لیکن حقیقت یہ ہوگی کہ نہ جانے کتنی ناجائز سوکنیں شوہر کے دل اور اس کے مال میں ان کی شریک بن جائیں گی اور اس وقت کوئی حبش عبدالرشید اور کوئی خلیفہ عبدالحکیم ان سوکنوں سے نجات دلانے کے لیے سامنے نہیں آئیں گے اور نہ ان کے مقابل میں مباح کی تنخواہ کا کوئی حصہ ان بیوی اور ان کے بچوں کے لیے مخصوص کرا سکیں گے۔

۴۔ مردوں کی اس آزادی کا جو اثر عام معاشرہ پر پڑے گا وہ تو بڑے ہی گہرا، اس کا سب سے زیادہ خطرناک اثر گھروں پر پڑے گا۔ جن گھروں کے مرد یہ روش اختیار کر لیں گے ان گھروں کی عورتیں بھی آہستہ آہستہ اسی راہ پر چلی پڑیں گی۔ جب وہ دیکھیں گی کہ میاں نے اپنی دل بستگی کے سامان اور پیدا کر لیے ہیں تو وہ بھی اپنی دل بستگی کے سامان تلاش کرنے لگیں گی۔ ممکن ہے شروع شروع میں کچھ حجاب

ہو، لیکن زیادہ زمانہ نہیں گزرے گا کہ وہ اپنے شوہروں سے بھی زیادہ میباک ہو جائیں گی اور پھر ان کی اولاد کے لیے ترسب سے زیادہ جانی پہچانی ہوئی راہ یہی ہوگی۔ الغرض زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ مغربی معاشرہ کی تمام لغتیں ہمارے معاشرہ پر بھی مسلط ہو جائیں گی اور اس طرح مسلط ہو جائیں گی کہ پھر ان سے چھٹکارا حاصل کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

۵۔ یہ قانون، تعدد ازدواج کی برائی کو (اگر وہ برائی ہے) تو روکنے میں ذرا بھی کامیاب نہیں ہوگا، البتہ بہت سی عورتوں کو عدالتوں سے پاگل اور مدقوق ہونے کا سٹرٹیفکیٹ دلوا دیگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت معاشرہ کے غریب طبقوں میں تو تعدد ازدواج کا رولج بہت کم، بلکہ مفقود ہے۔ زیادہ تر، بلکہ تمام تر وہ خوشحال طبقہ میں پایا جاتا ہے۔ یہ قانون اس طبقے کو اس اجازت سے فائدہ اٹھانے میں مانع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کمیشن نے اس کے لیے دو شرطیں رکھی ہیں اور ان دونوں شرطوں کو پورا کرنا غریب اور عوام کے لیے تو بے شک ناممکن ہے، لیکن خوشحال لوگ بڑی آسانی کے ساتھ یہ دونوں شرطیں پوری کر سکتے ہیں۔ ایک شرط تو یہ ہے کہ دوسری شادی کا خواہشمند عدالت کے سامنے یہ ثابت کر سکے کہ وہ دونوں کنہوں کی کفالت کا بندوبست ان کے معیار زندگی کے مطابق کر سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ وہ اپنی موجودہ بیوی کو باخوبی یا مدقوق یا پاگل ثابت کر دے۔ جہاں تک پہلی چیز کا تعلق ہے، اس کی ضمانت دے دینا تو کسی خوشحال آدمی کے لیے کوئی مشکل ہے ہی نہیں۔ رہی دوسری چیز تو کسی دماغی امراض کے ہسپتال یا کسی ڈاکٹر سے بیوی کے لیے مدقوق یا پاگل ہونے کا سٹرٹیفکیٹ حاصل کر لینا اس زمانہ میں کسی صاحب مال کے لیے کیا مشکل ہے؟ یہ نہ خیال کیجئے کہ میں محض صورت حال کو خوفناک دکھانے کے لیے قیاس کے گھوڑے دوڑا رہا ہوں بلکہ اس طرح کے واقعات ہمارے ہاں ہوتے رہتے ہیں۔ آج اگر کم ہو رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ضرورت کم پیش آتی ہے۔ لیکن ضرورت ایجاد کی ماں ہے، جب اس کی ضرورت پیش آئے گی تو آپ یقین کریں کہ اس کی بہت سی راہیں کھل جائیں گی۔ ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے کہ اخبارات میں یہ خبر بھی تھی کہ ایک صاحب اپنی بیوی کو جو بیچاری اچھی خاصی تھیں کاریں لا کر لاہور کے فٹل ہاسپٹل میں اس کے پاگل ہونے کا سٹرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لیے لے جا رہے تھے اور وہ غریب تھے، چچ کر فریاد کر رہی تھی کہ یہ ظالم مجھے دیوانی

ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ میں بالکل تندرست اور ہوش و حواس سے ہوں۔ لیکن شوہر صاحب امدان کے مددگار اعز اس کی پیچ و پکار ہی کو اس کے پاگل ہونے کے ثبوت میں بطور دلیل پیش کر رہے تھے۔ لاہور کے ایک معاصر نے اس واقعہ کا حوالہ دے کر مجھ سے یہ سوال کیا ہے کہ اگر میں کمیشن کی ان سفارشات کا مذہب کے خلاف ہونے کے سبب سے مخالف ہوں تو مردوں کے اس طرح کے مظالم کے سدباب کی میرے نزدیک کیا تدبیر ہے؟ حالانکہ یہ سوال مجھ سے پوچھنے کا نہیں ہے بلکہ میاں عبدالرشید اور خلیفہ عبدالحکیم صاحب سے پوچھنے کا ہے جنہوں نے بڑی کاوش سے اپنی مزید بہت سی بہنوں کو پاگل بنوانے کی راہ کھولی ہے، یا پھر اپوا کی ان بیگمات سے پوچھنے کا ہے جو کمیشن کی اس رپورٹ پر مردمن و ہی ہیں اور بے قرار ہیں کہ ان کی آزادی کا یہ چارٹر کب سفارش کے درجہ سے ترقی کر کے قانون کا مرتبہ حاصل کرے گا۔

مہر | مہر کے متعلق کمیشن کی سفارش یہ ہے کہ معاہدہ ازدواج میں جو مہر بھی درج ہو، خواہ اس کی مقدار کتنی ہی زیادہ ہو، از روئے قانون واجب الادا قرار دیا جائے۔

اس سفارش کی دلیل میں یہ بات کہی گئی ہے کہ بعض اوقات مہر کے مقدمات میں مرد کی طرف سے یہ جواب دہی کی جاتی ہے کہ نکاح نامہ میں مندرج مہر محض فرضی ہے، فریقین میں یہ بات طے تھی کہ اس کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ کمیشن مرد کی اس قسم کی جواب دہی کے سدباب کے لیے چاہتا ہے کہ نکاح نامہ کے متعلق وہ مہر کو واجب الادا قرار دے دیا جائے تاکہ اس نوعیت کی کسی مقدمہ بازی کے لیے کوئی بنیاد ہی باقی نہ رہ جائے۔

جہاں تک قانون کا تعلق ہے اس کا تقاضا تو بلاشبہ یہی ہے کہ جو مہر طے پایا ہے وہ شوہر پر واجب الادا ہو۔ لیکن کمیشن نے اپنی اس رپورٹ میں باوجود عقل اور انصاف کا بھی حوالہ دیا ہے اور معاشرہ میں جو غلط چیزیں رواج پاگئی ہیں ان کی اصلاح کے عزم کا بھی اظہار فرمایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عقل و انصاف کے تقاضے اور اصلاح کے سارے عزائم ارکان کمیشن کو صرف اسی وقت تک یاد رہتے ہیں جب تک بات عورت کے حق میں جا رہی ہو۔ اگر عورت کے حق میں نہ جا رہی ہو تو پھر بڑی سے بڑی غلطی بھی کمیشن کی نظر میں عقل و انصاف کے مطابق بن جاتی ہے اور معاشرہ کی اصلاح کے نقطہ نظر سے بھی وہی چیز ضروری ہو جاتی ہے۔

ہر شخص بہانتا ہے کہ مہر کے معاملہ میں اسلام کا اصلی رجحان یہ ہے کہ مہر فریقین کی حیثیت کے مطابق ہو اور اس کو بلاوجہ مشغیت اور تفاخر کے اظہار کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ لیکن ہمارا معاشرہ اس بارہ میں ایک بالکل غلط راہ پر چل پڑا ہے۔ اور یہ غلطی کسی ایک ہی فریق کی طرف سے نہیں ہوتی ہے بلکہ لڑکی والوں اور لڑکے والوں دونوں ہی کی طرف سے ہوتی ہے کبھی تو لڑکی والے اپنی امارت کی دھونس جانے کے لیے یا کسی مقابلہ کے جذبہ کے تحت زیادہ مہر باندھنے کی خودمیش کش کرتے ہیں اور کبھی لڑکے کو باندھنے کی نیت سے لڑکی والے بھاری مہر باندھنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس پر اس قدر بضد ہوتے ہیں کہ چاروناچار اس کران کا یہ مطالبہ ماننا پڑتا ہے۔ اگر وہ نکاح سے انکار کر کے واپس لوٹ آتا ہے تو شدید مالی نقصان کے علاوہ براوری میں اس کی ناک کشتی ہے اور اگر مطلوبہ مہر پر راضی ہوتا ہے تو اپنے پاؤں میں از خود ایک بھاری زنجیر پنتا ہے۔ ایسی صورتوں میں عموماً لڑکے والوں کا رجحان یہی ہوتا ہے کہ بارات کو نکاح کیے بغیر ٹوٹنا پڑے اگرچہ مہر کتنا ہی بھاری ہو۔ وہ اس مشکل پر بروت اس امید پر راضی ہو جاتے ہیں کہ آئندہ شاید مہر دینے کی کبھی نوبت ہی نہ آئے۔

اب عقل و انصاف اور اصلاح معاشرہ کے نصب العین کا تقاضا تو یہ ہے کہ کوئی ایسی شکل نکالی جائے جس سے عورت کی حق تلفی بھی نہ ہو، اور اس معاملہ میں جو غلطیاں ہو رہی ہیں ان کی بھی اصلاح ہو سکے۔ میاں بیوی کے تعلقات کی خوشگواہی کی صورت میں تو وہ خود ہی ان ناہمواریوں کو ہموار کر سکتے ہیں۔ لیکن جب معاملہ بگڑ کر عدالت میں جا پہنچے تو پھر تو واحد صورت اصلاح کی یہی باقی رہ جاتی ہے کہ اگر مہر زنا باندھا یا بندھوایا گیا ہے جس کی ادائیگی مرد کے مکان سے باہر ہے، یا اس کی ادائیگی کے بعد وہ مالی اعتبار سے بالکل تباہ ہو کر رہ جاتا ہے تو عدالت اس میں مداخلت کر کے کوئی منصفانہ شکل پیدا کرے۔ لیکن کمیشن نے یہاں عدالت کے ہاتھ باندھ دیئے ہیں اور آئندے قانون اس کو پابند کر دیا ہے کہ جو مہر نکاح نامہ میں درج ہے وہ اس کی ڈگری دے۔ اگر یہ شوہر کی سادت پستیں بھی اس کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو سکیں۔ یہ ہمارے نزدیک عورت کے حقوق کی حفاظت نہیں بلکہ عورت کو لیا "کی بھاری ہے جس نے دامگوں کو اس قدر موقوف کر دیا ہے کہ ان لوگوں کو عزت